© rasailojaraid.com

اِحسان وتصوف کے بعض اصولی مباحث

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور مولانا مودودیؒ کا مطالعہ

ڈاکٹر عبید اللہ فہد

مضمون نگار ڈاکٹر عبید اللہ فہد کا اندازِ نگارش کہیں کہیں سخت ہوگیا ہے۔ تصوف کے قائلین اور اس کے ہمدردوں کو یہ ناگوار گزر سکتا ہے۔ ان میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان سے ہر ایک سے اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ علمی مباحث میں اتفاق اور اختلاف کا امکان ہمیشہ رہتا ہے۔ علمی شخصیات ہم سب کا سرمایہ ہیں۔ ان کا احترام لازمی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ان کے افکار و خیالات کا غیر جانب دارانہ مطالعہ بھی ہوتے رہنا چاہئے۔ اس سے استفادے کی بہتر صورتیں نکل سکتی ہیں۔ جو اصحابِ علم اس موضوع پر یا اس جیسے موضوعات پر سنجیدہ اظہارِ خیال کرنا چاہیں ان کے لئے تحقیقاتِ اسلامی کے صفحات حاضر ہیں (جلال الدین)

اصطلاحات کے سلسلے میں شریعت کا موقف

قرآن کریم کے تصورِ 'تزکیہ' اور حدیثِ نبوی کی اصطلاحِ 'اِحسان' کے لیے ہی اگر تصوف وسلوک اور طریقت ومعرفت کی اصطلاحیں دوسری صدی ہجری میں وضع کی گئیں، دینِ اسلام کی روح ومغز پر ہی زور دیا گیا اور صوفیا نے اسی علم کو علم باطن کا نام دیا[۱] اور اس کے ماہر اور عامل سالک وصوفی قرار پائے[۲] تو سوال یہ ہے کہ قرآن کی آیت وَيُزَكِّيهِمْ (البقرۃ :۱۲۹؛ الجمعہ :۲) کی اصطلاح کیوں نہ باقی رکھی گئی؟ اور حدیثِ پاک کے لفظ 'اِحسان' کی ترجمانی کیوں کافی تصور نہ کی گئی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت میں مفاہیم وتصورات کے ساتھ الفاظ واصطلاحات کی بھی بڑی اہمیت ہے۔شریعت نے اپنے مخصوص افکار ونظریات اور عقائد وتصورات کی تفہیم وترسیل کے لیے مخصوص اصطلاحیں استعمال کی ہیں جن میں قرآن مجید اور سنتِ مطہرہ کے ان اقدار وافکار کا بھرپور انعکاس ہے جو ان کے پیش نظر ہیں۔صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، شعائر، سنت، حدیث، صفا، مروہ، طواف، سعی، ذبح، نحر، تزکیہ، احسان یہ سب وہ اصطلاحیں ہیں جن کے معنٰی ومراد الہامی نصوص میں متعین ہیں۔جب بھی ان اصطلاحات کی جگہ دوسری اصطلاحیں استعمال کی جائیں گی، معنٰی ومفہوم میں فرق واقع ہوجائے گا اور تحریف وانحراف کی تلوار ہر وقت سر پر لٹکتی رہے گی۔اسی لیے قرآنِ کریم نے ایسے الفاظ واصطلاحات کے استعمال کو ناپسند کیا ہے جن سے کسی غلط فہمی یا متضاد معانی کے ابلاغ کا خدشہ ہو۔کوئی لفظ صحیح اور غلط دونوں معانی میں اگر مشترک ہو اور دشمنانِ اسلام اشتراکِ لفظی سے فائدہ اٹھا کر فتنہ برپا کرنا چاہتے ہوں تو اس لفظ کا استعمال ہی ترک کردینا چاہیے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُو لاَ تَقُولُو رَاعِنَا وَ	اے ایمان لانے والو،'راعنا' نہ کہا کرو
قُولُو انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوا وَلِلْکٰفِرِیْنَ	بلکہ 'انظرنا' کہا کرو اور توجہ سے بات سنو،
عذَابٌ اَلِیمٌ (البقرۃ:۱۰۴) ۳؎	کافر تو عذابِ علیم کے مستحق ہیں

دورِ جدید میں اسلام کے سیاسی، سماجی، اور عمرانی نظریات کی تفہیم کے لیے سوشلزم، اشتراکیت، نیشنلزم، سیکولرزم اور ڈیموکریسی کی اصطلاحیں جب مستعار لی گئیں اور اسلامی ادبیات میں ان کا استعمال شروع ہوا تو علماء اسلام کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ مغربی اصطلاحیں اسلامی اقدار وافکار کے لیے اجنبی ہیں اور اسلامی شریعت نے اپنے افکار ونظریات کی ترسیل کے لیے اپنی اصطلاحیں رکھی ہیں تو اجنبی اصطلاحات درآمد کیوں کی جائیں؟ مزید یہ کہ ہر اصطلاح اپنا ایک سیاسی، سماجی اور تہذیبی پس منظر رکھتی ہے جس سے علیحدہ کرکے اسے دیکھا اور سمجھا نہیں جاسکتا۔ ۴؎

خیال ہوتا ہے کہ تصوف میں اشراقی، رواقی، زرد تشتی اور ویدانتی فلسفوں کی جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آمیزش ہوئی ، ہندو جوگیوں اور عیسائی راہبوں کے طور طریقے اس میں شامل ہوئے، مشرکانہ تخیلات واعمال تک اس میں خلط ملط ہو گئے اور شریعت اور طریقت و معرفت الگ الگ چیزیں بن گئیں، بلکہ یہ ایک دوسرے سے بے تعلق اور متضاد نظر آنے لگیں اور اسلامی شریعت کے علی الرغم ایک متوازی نظام وجود میں آ گیا تو اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ تصوف کی اٹھان ہی غلط طریقے سے ہوئی تھی۔ اس کے فکری سوتے قرآن وسنت کے ماسوا تھے۔ اس کی اصطلاحات، احوال و مقامات، منہاجیات اور اصول وقواعد سب اسلام کے لیے اجنبی تھے اور اسی لئے ہر قسم کی تحریف و تلبیس نے تصوف کو محفوظ پناہ گاہ تصور کیا اور غیر اسلامی افکار واقدار اس کی راہ سے مسلم امت میں جلد سرایت کر گئے۔

یہ الم ناک صورت حال شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) کے دور میں موجود تھی، اسی لیے وحدت الوجود پر ایمان رکھنے کے باوجود انہیں اربابِ تصوف کی بداعتقادیوں اور بے عملیوں کی خبر لینی پڑی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میں ان پیرزادوں سے، جو کسی استحقاق کے بغیر باپ دادا کی گدیوں پر بیٹھے ہیں، کہتا ہوں کہ یہ کیا دھڑے بندیاں تم نے کر رکھی ہیں؟ کیوں تم میں سے ہر شخص ہر طریقے پر چل رہا ہے اور کیوں اس طریقے کو چھوڑ رکھا ہے جسے اللہ نے محمد ﷺ پر اتارا تھا؟ تم میں سے ہر ایک امام بن بیٹھا ہے، اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اور اپنے آپ کو ہادی و مہدی سمجھتا ہے، حالاں کہ وہ ضال و مضل ہے۔ ہم ہرگز ان لوگوں سے راضی نہیں ہیں جو دنیا کے فوائد کی خاطر لوگوں سے بیعت لیتے ہیں، یا اس لئے علم حاصل کرتے ہیں کہ اغراضِ دنیوی حاصل کریں یا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی خواہشاتِ نفس کی اطاعت ان سے کراتے ہیں۔ یہ سب رہزن ہیں، دجال ہیں، کذاب ہیں، خود بھی دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکے دے رہے ہیں......

''میں ان متقشف واعظوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب و یابس کو لے بیٹھے۔ تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا، تم نے خلقِ خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا، حالاں کہ تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فراخی کے لیے مامور تھے، نہ کہ تنگی کے لیے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو مدار الیہ بنالیا ہے، حالاں کہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں، لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں!''[۵]

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) جو خود ایک خاندانِ تصوف سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا سلسلہ حضرت خواجہ قطب الدین مودودؒ سے ملتا ہے جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (م ۱۲۳۶ء) کے دادا پیر تھے۔ آپ کے خاندان میں آپ کے والد مرحوم سیّد مولوی احمد حسینؒ تک بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری تھا۔ مولانا مودودیؒ نے صوفیا کی صحبتوں سے اکثر استفادہ کیا تھا اور متعدد صوفی بزرگوں سے توجہ لینے اور اشغال سیکھنے کی بھی کوشش کی تھی، مگر صوفیا کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ وہ اسی زندگی میں مشاہدہ حق حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ایمان بالغیب کے مقام سے ترقی کر کے ایمان بالشہادۃ کی دولت پانا چاہتے ہیں، جب کہ یہ کوشش فضول بھی ہے اور غلط بھی اور اس کے کامیاب ہونے کا بھی امکان نہیں ہے۔ مولانا مودودیؒ صوفیا کے تزکیۂ نفس کے مقصد ''روحانی ترقی'' پر بھی سوال قائم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''اس سے فروتر تزکیۂ نفس کا جو مقصد بتایا جاتا ہے وہ روحانی ترقی ہے، مگر یہ روحانی ترقی کچھ ایسی مبہم اور پُر اسرار چیز ہے کہ تمام عمر اس بھول بھلیاں میں گشت لگانے کے بعد بھی آدمی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس مقام پر پہنچا۔ اس کی اصطلاحیں، اس کی منزلیں، اس کے ثمرات ونتائج سب مرموز ہیں جن کو ہم جیسے عامی کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ ہمیں اگر کچھ نظر آتا ہے تو وہ صرف یہ کہ اس راہ میں جو منزلیں طے کی جاتی ہیں ان میں وہ منزل کبھی نہیں آتی جسے بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ نے طے کیا تھا اور نہ وہی منزل کبھی آنے کی توقع کی جاسکتی ہے جس کو ابوبکرؓ اور عمرؓ نے طے کیا تھا۔

''اسلام کے مقصد سے قریب ترین مقصد ان لوگوں کا ہے جو تزکیۂ نفس سے تقویٰ کا حصول چاہتے ہیں، لیکن یہاں ایک مصیبت پیش آجاتی ہے، اور وہ یہ کہ تقویٰ کے متعلق بالعموم لوگوں کا نقطۂ نظر محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ بیش تر اصحاب کے نزدیک تو تقویٰ سے مراد محض لباس، وضع قطع، نشست و برخاست، اکل وشرب وغیرہ امور کے متعلق اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہری نقشہ پر اپنی زندگی کو ڈھال لینا ہے جس کی جزئیات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ نیز چند مذہبی اعمال کی پابندی کرنے اور معمول سے کچھ زیادہ عبادات کر لینے سے تقویٰ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے تقویٰ کی اس ظاہری شکل کو اختیار کر لیا ہے انہیں متقی کہا اور سمجھا جاتا ہے اور وہ خود بھی مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اندر تقویٰ پیدا کر لیا ہے، حالاں کہ فی الحقیقت روحِ تقویٰ کی ان میں بہت کمی ہوتی ہے اور بسا اوقات عملی زندگی کی آزمائشوں میں ایسی ایسی غیر متقیانہ حرکات سرزد ہو جاتی ہیں جن کی بدولت تقویٰ کی اس ظاہری شکل کا بھرم بھی جاتا رہتا ہے'' ۶

احسان اور تصوّف کے درمیان فرق

اربابِ تصوف نے بالعموم اور مصلحینِ تصوف نے بالخصوص 'احسان' اور 'تصوف' کو ہم معنیٰ قرار دیا ہے جو پوری طرح درست نہیں ہے۔ اِحسان حدیثِ جبریل کا لفظ ہے جس کی تعریف رسولِ مقبول ﷺ کی زبان سے اللہ نے خود فرمادی ہے:

أن تعبدالله کانک تراہ ، فإن لم تکن تراہ فانہ یراک ۷	تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے بچشم خود دیکھ رہے ہو اور ایسی کیفیت پیدا نہ ہو سکے تو یقین رکھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

یہ عبادتِ الٰہی اور تقربِ خداوندی کی وہ اعلیٰ ترین صفت و کیفیت ہے جو ایک بندۂ مومن سے مطلوب ہے۔ روحانیت کی یہ معراج عبادت کی بجا آوری اور فرائض کی انجام دہی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ حدیثِ نبوی کے الفاظ أن تعبدالله صراحت کرتے ہیں کہ عبادت کو ترک کر کے اور فرائض سے پہلو تہی کر کے روحانیت کا حصول ممکن نہیں ہے اور اگر کوئی عبادت کی بجا آوری سے بالاتر ہو کر روحانیت، تقویٰ یا تزکیہ کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اِحسان کے نبوی مفہوم سے اِبا کرتا اور شریعت سے کھلواڑ کرتا ہے۔

حدیثِ جبرئیل کا 'اِحسان' ایمان و اسلام کا ترقی یافتہ مرحلہ ہے جس تک رسائی اُسی شخص کی ہو سکتی ہے جو عقائد و ایمانیات میں راسخ اور مستحکم ہو، جو اللہ پر، اس کے رسول پر،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے فرشتوں پر، تمام الہامی کتابوں پر، یومِ آخرت پر اور تقدیر الٰہی پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو، جس کا مضبوط عقیدہ ہو کہ خاتم المرسلین کی شریعت پر عمل کیے بغیر نجات نہیں مل سکتی اور دنیا اور آخرت میں فلاح وسعادت حاصل نہیں ہوسکتی۔

اِحسان کے اس جامع نبوی مفہوم اور تصوف میں مکمل یکسانیت نہیں ہے۔

تصوف کی کتابوں اور صوفیا کے ملفوظات میں علمِ باطن، زہدو مجاہدہ، فقر و تجرد اور توکل وغیرہ کی جو تشریح کی گئی ہے وہ قرآن وسنت کی تعلیمات سے میل نہیں کھاتی۔ بلاشبہ قرآن وسنت میں نفس کو قابو میں کرنے کی بار بار تاکید ہے اور تصوف کے تمام اعمال واشغال کا مقصود تزکیۂ نفس اور ضبطِ نفس ہی قرار دیا جاتا ہے، مگر یہ بات بہت اہم ہے کہ ضبطِ نفس اور تزکیہ کے لیے قرآن وسنت ہی کی تعلیمات اور واضح ہدایات پر عمل کیا جائے۔ تزکیہ کے لیے جو طریقے بھی اختیار کیے جائیں ان کا موافقِ سنت ہونا ضروری ہے۔ شریعت کی نگاہ میں مقصد کی پاکیزگی بے معنٰی ہے اگر اس کے حصول کے لیے اختیار کیا جانے والا وسیلہ بھی جائز، پاکیزہ اور موافقِ شریعت نہ ہو۔ آیتِ قرآنی: لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً الملک : ۲ (تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے) کی تفسیر حضرت فضیل بن عیاضؒ نے 'اخلص' اور 'اصوب' عمل سے کی ہے۔ لوگوں نے جب اخلص اور اصوب عمل کی وضاحت طلب کی تو فرمایا:

اذا کان خالصاً و لم یکن صواباً لم یقبل، و اذا کان صواباً و لم یکن خالصاً لم یقبل ،حتی یکون خالصاً صوابا ، و الخالص أن یکون لله، و الصواب أن یکون علی السنة ۸	عمل اگر خالص ہو مگر وہ درست نہ ہو تو مقبول نہ ہوگا اور اگر درست ہو مگر خالص نہ ہو تو بھی قبول نہ کیا جائے گا، تا آں کہ وہ خالص ہو اور درست بھی ہو۔ خالص کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے لیے ہو اور درست کے معنی یہ ہیں کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ ۹

تصوف اور اِحسان کے درمیان اسی بیّن فرق کی وجہ سے غالباً شاہ ولی اللہؒ نے اکثر مقامات پر احسان ہی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احسان اور فقہِ اسلامی

'اِحسان' کی تعریف کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ اسے شرعی فرائض واعمال کا ایک اہم رخ قرار دیتے ہیں جس کا راست تعلق تہذیبِ نفس سے اور نفس کو مطلوبہ صفات و کیفیات سے ہم آغوش کرنے سے ہے۔ تحریم وتحلیل کے پورے عمل میں شریعت کا محور اعمال اور شرعی مکلفات ہی ہیں جن کی دو جہتیں ہوتی ہیں: ایک جہت عوام الناس کو ان اعمال کا پابند بنانے کی ہے جس میں ظواہر کی بھرپور رعایت ہوتی ہے اور علی الاعلان ان کی بجا آوری اور تعمیل وتنفیذ مطلوب ہوتی ہے۔ اس جہت میں کسی فرار یا معذرت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں میانہ روی کے ساتھ تسلسل واستحکام ناگزیر ہوتا ہے۔ جب کہ دوسری جہت تہذیب وتزکیہ کی ہے جہاں کیفیات اور مطلوبہ مقامات سے بحث ہوتی ہے۔ اعمال کی کیفیت اور ان کی رسائی ومقبولیت پر نگاہ ہوتی ہے اور اس کا مدار وجدان پر ہوتا ہے۔ اسی کو فاضل مصنف 'علمِ اِحسان' سے تعبیر کرتے ہیں جب کہ اول الذکر کو وہ 'علم شرائع' کا نام دیتے ہیں۔

گویا احسان پر گفتگو کرنے کے لیے دو پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے:

(۱) اعمال پر اس نقطۂ نگاہ سے نظر کی جائے کہ ان سے نفسی کیفیات پیدا ہو رہی ہیں اور قلب وروح پر خاطر خواہ اثرات مرتب ہو رہے ہیں یا نہیں۔ بسا اوقات کوئی عمل ریا ونمود کے لیے انجام دیا جاتا ہے، یا معمول کی ایک کارروائی سمجھ کر اسے مکمل کیا جاتا ہے، یا اس میں تکبر، ایذا دہی اور اظہارِ احسان کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں اور مطلوب کیفیت اور مقام تک رسائی پانے میں ناکام رہتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نیک عمل وجود میں آجاتا ہے، مگر نفسِ انسانی اس کا وہ اثر قبول نہیں کرتا جو ایک مردِ محسن کو قبول کرنا چاہئے، جیسے کوئی شخص فرائض پر اکتفا کرلے اور اس میں کمیت یا کیفیت کے اعتبار سے کوئی اضافہ نہ کرے تو وہ صاحبِ تزکیہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) خود نفسی حالات وکیفیات پر تدبر کیا جائے، تاکہ ان کی کما حقہ معرفت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہو سکے اور پوری بصیرت کے ساتھ اور مقصودِ اصلی کو سامنے رکھتے ہوئے اعمال انجام دیئے جائیں، گویا انسان اپنا طبیب آپ بن جائے ۱۰؎

شاہ ولی اللہؒ نے علم شرائع اور علم احسان میں جس طرح تفریق کی ہے بعینہٖ وہی تفریق مولانا مودودیؒ نے فقہ اور تصوف میں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''فقہ کا تعلق انسان کے ظاہری عمل سے ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتی ہے کہ تم کو جیسا اور جس طرح حکم دیا گیا اس کو تم بجالائے یا نہیں، اگر بجالائے ہو تو فقہ کو اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ تمھارے دل کا کیا حال تھا۔ دل کے حال سے جو چیز بحث کرتی ہے اس کا نام تصوف ہے، مثلاً تم نماز پڑھتے ہو۔ اس عبادت میں فقہ صرف یہ دیکھتی ہے کہ تم نے وضو ٹھیک کیا ہے، قبلہ رؤ کھڑے ہوئے ہو، نماز کے ارکان ادا کیے ہیں، جو چیزیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں وہ سب پڑھ لی ہیں اور جس وقت جتنی رکعتیں مقرر کی گئی ہیں، ٹھیک اسی وقت اتنی ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ جب یہ سب تم نے کر دیا تو فقہ کی رؤ سے تمہاری نماز پوری ہو گئی۔ لیکن تصوف یہ دیکھتا ہے کہ اس عبادت میں تمہارے دل کا کیا حال رہا، تم خدا کی طرف متوجہ ہوئے یا نہیں؟ تمھارا دل دنیا کے خیالات سے پاک ہوا یا نہیں؟ تمہارے اندر نماز سے خدا کا خوف اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین، اور صرف اسی کی خوشنودی چاہنے کا جذبہ بھی پیدا ہوا یا نہیں؟ اس نماز نے تمہاری روح کو کس قدر پاک کیا؟ تمہارے اخلاق کہاں تک درست کیے؟ تم کو کس حد تک سچا اور پکا عملی مسلمان بنا دیا؟ یہ تمام باتیں جو نماز کے اصل مقصد سے تعلق رکھتی ہیں جس قدر کمال کے ساتھ حاصل ہوں گی تصوف کی نظر میں تمہاری نماز اتنی ہی زیادہ کامل ہوگی اور ان میں جتنا نقص رہے گا، اسی لحاظ سے وہ تمہاری نماز کو ناقص قرار دے گا'' ۱۱؎

علمِ شرائع اور علم احسان میں یہ فرق دراصل شاہ ولی اللہؒ کی اس اصلاحی اسکیم کا ایک جزو ہے جس میں اعتدال، توازن اور میانہ روی کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ اس طرح شریعت و طریقت کے دو متوازی دھاروں کو ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح مولانا مودودیؒ کو تصوف کے نام اور اصطلاح سے گو بنیادی اختلاف ہے اور وہ تصوف کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی کاز کے لیے نقصان دہ تصور کرتے ہیں، مگر تزکیہ و تربیت کے قرآنی تصور کا زبردست دفاع کرتے ہیں، جس کے بغیر اسلامی اخلاق کی عمارت تعمیر نہیں ہوسکتی۔ ان کے نزدیک تزکیہ کا مطلب "ایسے افراد تیار کرنا ہے جو متخلّق باخلاق اللہ ہوں، صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ بن کر زمین میں کام کریں اور اس کام کے صلے میں اللہ کے تقرب سے سرفراز ہوں" [۱۲]

علمِ شرائع اور علمِ احسان یا بالفاظِ دیگر فقہ اور تصوف میں یہ تفریق و تقسیم ترسیل و تفہیم کے لیے تو کسی حد تک درست ہوسکتی ہے، مگر اصولی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہے۔ قرآنِ کریم کی علانیہ دعوت تو فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصاً لَہُ الدِّیْنَ الزمر: ۲ (لہٰذا تم اللہ کی بندگی کرو، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے) کی ہے۔ وہ وَاَنِیْبُوا اِلیٰ رَبِّکُم وَ اَسْلِمُوا لَہٗ الزمر: ۵۴ (پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ) پر زور دیتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی امتیازی صفت یہ ہے کہ یہ ظاہر و باطن دونوں کے احوال اور تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے، پھر اسے دو جدا جدا خانوں میں کیسے تقسیم کیا جاسکتا ہے؟

اتباعِ شریعت پر اصرار

الطاف القدس میں شاہ ولی اللہؒ صوفیا کے اعمال و اشغال اور آداب و رسوم سے بحث کرتے ہیں جن کی تفصیلات صوفی سلسلوں کے معمولات، کتابوں اور طریقوں میں ملتی ہیں۔ ان سے صوفیا احوال و مقامات سے ہم کنار ہوتے ہیں، مگر انسان کے جوارح کی تہذیب اور اس کے لطائف کی اصلاح اعمالِ شریعت سے ہوتی ہے، نہ کہ احوال و مقامات سے۔ لہٰذا مطلوب و مقصودِ شرع کے سوا کچھ نہیں کہ صور و نوعیہ اسی کا تقاضا کرتی ہیں [۱۳]

حجۃ اللہ البالغہ میں فاضل مصنف شریعتِ اسلامی پر عمل درآمد کو مرکز و محور قرار دیتے ہوئے اہلِ جذب پر تنقید کرتے ہیں کہ تجرد، حسنِ معاشرت اور حسنِ مصاحبت کا اجتماع ان کے ہاں بہت مشکل ہے۔ اہل اللہ کی بڑی تعداد تجرد کی زندگی گزار دیتی ہے۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام سے الگ تھلگ رہتے ہیں، بیوی بچوں کی مصروفیت سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور عام انسانوں سے کافی فاصلہ قائم رکھتے ہیں۔ دوسری طرف عام لوگ ہیں جو بیوی بچوں کے مسائل میں گھر کر ذکرِ الٰہی سے غافل ہو جاتے ہیں، جب کہ انبیائے کرام دونوں مصلحتوں کی رعایت رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ ضبطِ نفس پر سب سے زیادہ قادر ہوتے ہیں اور دونوں طرح کی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

یہاں شاہ ولی اللہؒ رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے خشوع و خضوع اور اخبات و انابت کی کیفیت کے تسلسل کے لیے اذکار و وظائف کا اہتمام کرنے کا حکم دیا، صبر و مصابرت اور انفاق کی تعلیم دی، موت کو یاد رکھنے اور آخرت کو مستحضر کرنے کی ہدایات دیں، دنیا اور متاعِ دنیا کی بے وقعتی ظاہر کی، عظمت و قدرتِ خداوندی پر تدبر و تفکر کرنے کی دعوت دی، مریض کی عیادت کرنے، نیکی و صلہ رحمی کرنے، سلام کو رواج دینے، حدود قائم کرنے اور معروف و منکر کا فریضہ ادا کرنے کی تلقین کی، تاکہ وہ صفتِ عدالت سے متصف ہو سکیں۔ آپؐ نے ان تمام افعال و اعمال اور کیفیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا [۱۴]

مولانا مودودیؒ صحابۂ کرام کے طریقِ سلوک پر گفتگو کرتے ہوئے اتباعِ سنت کے اسی پہلو پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''سلوک کے تمام مقامات اسی ذریعے سے طے کرنے چاہئیں جس سے نبی کریم ﷺ کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ نے ان کو طے کیا تھا، یعنی کلمۂ لا الہ الا اللہ کا فہم اور قلب و روح میں اس فہم کا تمکن اور پھر پوری زندگی پر اس کا ایسا حاوی ہو جانا کہ خیال و عمل میں اس سے یک سرِ مو انحراف نہ ہو۔ اسلام میں اگر کوئی طریقت یا تصوف ہے تو بس یہی ہے۔ اسی کو صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ یہی چیز ہمارے اکابر تک پہنچی اور اسی کے ذریعے سے ایک مسلمان بلند مدارج تک پہنچ سکتا ہے۔ حق تک پہنچنے کا راستہ بجز اس علمِ صحیح اور عملِ صحیح کے اور کوئی نہیں ہے۔ اگر ہمارے صوفیا اس طریقہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے اور اسی کے مطابق مسلمانوں کی تربیت کرتے تو یہ قوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن گمراہیوں میں مبتلا نہ ہوتی جنھوں نے اس کو دین اور دنیا دونوں سے کھو دیا" ۱۵

صوفیائے کرام کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس معاملہ میں ان کے یہاں بڑی افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ وہ شریعت کے بالمقابل طریقت کے متوازی نظام کے علم بردار اور قدم قدم پر اصول و تعلیماتِ نبوی کی خلاف ورزی کرتے نظر آتے ہیں۔ صوفیا کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اربابِ ذوق اور اصحابِ وجد و حال کو ایک مخصوص علم عطا کرتا ہے جسے وہ علمِ لدنّی یا علمِ باطن کہتے ہیں۔ زہد و مجاہدہ کا مطلب دنیا اور متاعِ دنیا سے بے رغبتی اور کنارہ کشی تک محدود نہ رہا، بلکہ دنیا اور اہلِ دنیا سے بغض و نفرت، عوام سے قطع تعلق اور رہبانیت کا اختیار کرنا ایک صوفی کے لیے ناگزیر ٹھہرا۔ اس سے آگے بڑھ کر نفس کشی اور مجاہدۂ نفس کے وہ طریقے اختیار کیے گئے جو سنتِ نبوی سے براہ راست متصادم تھے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ زہد یہ ہے کہ دنیا اور اہلِ دنیا سے بغض رکھو ۱۶ شیخ جنید بغدادیؒ تک کو کہنا پڑا کہ جو شخص اپنے دین کا بچاؤ اور قلب و بدن کا آرام چاہتا ہے وہ لوگوں سے علیٰحدگی اختیار کر لے ۱۷ خواجہ ابو محمدؒ نے اپنے مکان کے ایک گہرے کنویں میں الٹے لٹک کر مدّتوں عبادت کی۔ ۱۸ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے ایک مسجد کے کنویں میں چلّۂ معکوس کھینچا اور چالیس روز تک کنویں کے کنارے ایک درخت پر اپنے آپ کو آویزاں کر کے صلوٰۃ معکوس ادا کی، جس کا حکم اُن کو ان کے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دیا تھا ۱۹

اقامتِ عدل و اصلاح

شاہ ولی اللہؒ نے 'اِحسان' کی صفاتِ اربعہ میں ایک اہم صفت 'عدالت' قرار دی ہے جو ایک ایسی صلاحیت اور ملکہ کا نام ہے جو تدبیرِ منزل اور سیاستِ ملکی میں عادلانہ و مصلحانہ نظام کے بسہولت قیام میں معاون ہوتا ہے۔ فاضل مصنف اس صفت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد وہ نفسی جبلّت ہے جس سے وہ جامع افکار اور سیاسی پروگرام جنم لیتے ہیں جو خدا اور اس کے فرشتوں کے نزدیک مناسب اور موزوں ہوتے ہیں۔ یہ تو مشیتِ الٰہی اور خدائی اسکیم ہے کہ عالم کا انتظام و انصرام ہو، لوگ ایک دوسرے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعاون کریں، کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، باہم امداد و اعانت کا نظم قائم ہو اور مسلمان جسدِ واحد کی مانند بن جائیں کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو دوسرے اعضاء درد و کرب محسوس کریں، آل و اولاد کی کثرت ہو، فساق و فجار کو سزا ملے اور عدل پرور کو انعام و اکرام سے نوازا جائے، فاسد رسوم و روایات پژمردہ ہوں اور خیر اور نوامیسِ حق کی بہتات ہو۔ خلقِ خداوندی میں یہ امر مقدر تھا اور یہ سب قضاء الٰہی کی تشریح و تفصیل تھی۔ بارگاہِ قدوس کے مقرب فرشتوں نے بڑھ کر اس فیصلہٗ خداوندی کا استقبال کیا۔ وہ مصلحین کے حق میں دعا اور مفسدین کے اوپر لعنت بھیجنے میں لگ گئے۔ شاہ ولی اللہؒ یہاں درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِي وَلَا يُشْرِكُوْنَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (النور:۵۵)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔ اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (الرعد:۲۰)

اور ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے۔ ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے، انہیں برقرار رکھتے ہیں۔

اس کے برعکس کفار کا طریقہ یہ بتایا گیا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُونَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوصَلَ وَ يُفْسِدُونَ فِي الْاَرْضِ اُولٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (الرعد:۲۵)

رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں، جو ان رابطوں کو کاٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، وہ لعنت کے مستحق ہیں اور ان کے لیے آخرت میں بہت برا ٹھکانا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ دہلوی ان آیات کو پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جو شخص ان مصلحانہ اعمال کو انجام دیتا ہے اسے رحمتِ خداوندی ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے اس پر درود اور سلام بھیجتے ہیں۔ عوام الناس کے درمیان اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے اور اسے اللہ کی نصرت وحمایت ملتی ہے اور جو فساد پھیلاتا ہے اور مفسدانہ سرگرمیوں میں ملوث رہتا ہے اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں اور عوام الناس میں بھی قابلِ نفریں قرار پاتا ہے۔ ایسے شخص پر زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ صفتِ عدالت کے معاشرتی اور سماجی اثرات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انسان کے قیام وقعود، بیداری و نیند، رفتار و گفتار، لباس و رہائش اور زیب و زینت میں جب عدالت کا اظہار ہوتا ہے تو اسے 'ادب' کہا جاتا ہے۔ مال کمانے اور اسے خرچ کرنے میں جب اس صفت کا ظہور ہوتا ہے تو وہ 'کفایت' کہلاتی ہے۔ تدبیرِ منزل پر اس کے اثرات پڑتے ہیں تو وہ 'حریت' میں جلوہ گر ہوتی ہے اور جب سیاستِ ملکی میں اس کا انعکاس ہوتا ہے تو وہ 'سیاست' سے موسوم ہوتی ہے۔ خیالِ خاطر احباب کے تقاضوں کی تکمیل میں جب یہ صفت ڈھلتی ہے تو اسے 'حسنِ معاشرت' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس صفت کے ظہور کے لیے ناگزیر ہے کہ ہمہ گیر افکار کے ساتھ وفاداری اور کامل متابعت پائی جائے اور قلب میں سختی نہ ہو، بلکہ اس میں سوز و گداز ہو اور رحمت و مودت ہر آن سایہ فگن رہے۔ [۲۰]

اِحسان کے معاشرتی واصلاحی تناظر پر شاہ ولی اللہؒ کی یہ گفتگو بڑی انقلاب انگیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اثر آفریں ہے۔ وہ صوفیاء کرام کی عام روش سے ہٹ کر اصلاحِ معاشرہ، اقامتِ عدل اور خلافت کی تشکیل کا ایک جامع نظام اور منصوبہ مرتب کرتے ہیں۔ ان کا فلسفۂ احسان انہیں گوشہ گیری، عافیت کوشی اور انسانوں سے قطعِ تعلق اور معاشرہ سے بے نیازی کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ انسان کو عادل بنا کر نظامِ اصلاح وعدل کے قیام پر ابھارتا ہے۔

تزکیہ کا یہ پہلو مولانا مودودیؒ کے ہاں بہت نمایاں ہے۔ وہ خود تزکیہ کے اس مقام پر فائز تھے اور اقامتِ دین اور اقامتِ جہاد کے ناگزیر مراحل اور تقاضوں سے صبرو ثبات کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کو اعلیٰ تر سلوک اور روحانیت قرار دیتے تھے۔ اسلامی تزکیۂ نفس مولانا مودودیؒ کے نزدیک ایسے انسان تیار کرنا چاہتا ہے جو فرداً فرداً اپنی گردن سے تمام اطاعتوں اور تمام بندگیوں کے حلقے اتار کر خالص اللہ کی بندگی وغلامی کا حلقہ کسی مجبوری کے بغیر آپ اپنی ہی رضا و رغبت سے پہن لیں، اور پھر اللہ کی اطاعت وخدمت اس نوکر کی طرح انتہائی وفاداری اور خوف وخشیت اور حسنِ کارگردگی کے ساتھ کریں جو اپنے آقا کو سامنے کھڑا دیکھ کر، یا یہ محسوس کر کے کہ آقا کی نگاہ اس پر ہے، زیادہ سے زیادہ بہتر کام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ اس کی کوئی بات آقا کے غضب کی موجب نہ ہو۔ پھر اس قسم کے افراد جوڑ کر اسلام ایک ایسا منظم گروہ وجود میں لانا چاہتا ہے جو دنیا کو خیر کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے اٹھے، جس کی ساری جدّ و جہد اور سعی وعمل صرف اس لئے ہو کہ دنیا سے فساد، جو اللہ کو مبغوض ہے، مٹ جائے اور خیر و صلاح، جو اللہ کو محبوب ہے، اس کی جگہ قائم ہو، جو خیر کا علَم ہاتھ میں لے کر دنیا بھر سے اس کے لیے لڑ جانے پر تیار ہو اور سارے جہاں سے اس کی کشمکش اور نزاع صرف اسی ایک بات پر ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کے آگے سارے کلمے دب کر رہ جائیں ۲۱

سورہ مزمل کی آیت:۶ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا (درحقیقت رات کا وقت انسانی نفس پر قابو رکھنے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے) کی تفسیر کرتے وقت مولانا مودودیؒ تزکیہ کی معاشرتی اور اجتماعی جہات پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اَشَدُّ وَطْئًا کا ایک مطلب یہ ہے کہ رات کو عبادت کے لیے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چوں کہ طبیعت کے خلاف ہے اور نفس اس وقت آرام کا مطالبہ کرتا ہے، اس لیے یہ فعل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ اس طریقے سے جو شخص اپنے آپ پر قابو پالے اور اپنے جسم و ذہن پر تسلط حاصل کر کے اپنی اس طاقت کو خدا کی راہ میں استعمال کرنے پر قادر ہو جائے وہ زیادہ مضبوطی کے ساتھ دینِ حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے کام کر سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دل اور زبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے، کیوں کہ رات کے ان اوقات میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا ہے اور اس حالت میں آدمی جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ اس کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی کے ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے، کیوں کہ رات کی تنہائی میں جو شخص اپنا آرام چھوڑ کر عبادت کے لیے اٹھے گا وہ لامحالہ اخلاص ہی کی بنا پر ایسا کرے گا، اس میں ریاکاری کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت چوں کہ دن کی عبادت کی بہ نسبت آدمی پر زیادہ گراں ہوتی ہے، اس لیے اس کا التزام کرنے سے آدمی میں بڑی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے، وہ خدا کی راہ میں زیادہ مضبوطی کے ساتھ چل سکتا ہے اور اس راہ کی مشکلات کو زیادہ استقامت کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے [۲۲]

صفاتِ مطلوبہ

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے علمِ احسان کے چار اخلاقی اصول گنائے ہیں جن کی بھرپور رعایت کے بنا کوئی شخص مقامِ احسان تک نہیں پہنچ سکتا۔ پہلا اصول 'طہارت' کا ہے جس کی روح یہ ہے کہ باطن منوّر اور پاکیزہ ہو اور وہ انشراح و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہو۔ دوسری طرف افکارِ پریشاں اور نظریاتِ ژولیدہ سے دور اور جزع فزع اور فریاد و ماتم سے مبرّا ہو۔ دوسرا اصول 'اخبات' کا ہے جو جبروت سے آشنائی پیدا کرتا ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبادات، اذکار اور تلاوت کے ذریعہ قلب میں سوز و گداز اور فروتنی و خاکساری کا محرک بنتا ہے۔ عبادات کی روح یہ ہے کہ حضورِ قلب پیدا ہو۔ بارگاہِ خداوندی میں باریابی کا شوق کروٹیں لے، محبتِ خداوندی کے ساتھ جلالِ الٰہی کا انعکاس ہو اور قہاری و غفاری کی دونوں صفاتِ ملکوتی کا پرتو اس میں نظر آئے۔ تیسرے اصول 'سماحت' کا تقاضا ہے کہ ملکوتی صفات حیوانی محرکات اور بہیمی جذبوں کے تابع نہ ہوں۔ سماحت کے دائرے میں زہد و قناعت، جود و سخا، تواضع و فروتنی، امیدوں کی محدودیت، صبر اور لینت و نرم خوئی کی مطلوبہ صفات داخل ہیں۔ چوتھا اصول 'عدالت' ہے۔ اس میں عدلِ اجتماعی، تدبیرِ منزل، سیاستِ ملکی اور اصلاحی امور داخل ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کی صفاتِ اربعہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان میں انفرادی سیرت کی تعمیر پر زیادہ زور ہے، اگرچہ 'عدالت' کے اصول میں فاضل مصنف نے اجتماع و معاشرت کے تقاضوں سے صرف نظر نہ کر کے اس کمی کی کسی حد تک تلافی کی ہے، مگر بحیثیتِ مجموعی وہ انفرادی اوصاف و کمالات کو احسان کی اصل جولان گاہ اور مرکز قرار دیتے ہیں۔ اس کے برعکس مولانا مودودیؒ کے رجحانات پر اجتماعی تقاضوں کی گہری چھاپ ہے۔ تزکیہ کا تصور ان کے یہاں اسلامی اجتماعیت سے ہم آہنگ اور اسلام کے عمرانی و سماجی فرائض کی تکمیل کی طرف پیش رفت کرنے میں زیادہ معاون و مددگار ہے۔

اسلامی تزکیۂ نفس کے لیے مولانا مودودیؒ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ اجتماعی اوصاف میں محبتِ باہمی، مشاورت، نظم و ضبط اور اسلامی تنقید و محاسبہ کو وہ سرِ فہرست رکھتے ہیں۔ انفرادی اوصاف میں اسلام کا صحیح فہم، پختہ ایمان اور قول و عمل میں مطابقت اور اقامتِ دین کو مقصدِ زندگی بنالینا وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو فرداً فرداً ہر شخص میں مطلوب ہیں، مگر اس کے ساتھ چند مزید اوصاف ہیں جن کی موجودگی اصلاح و تعمیر میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری ہے: تعلق باللہ اور اخلاص للہ، فکرِ آخرت، حسنِ سیرت، صبر، حکمت، تفقہ فی الدین اور بصیرت۔ ان انفرادی اوصاف کی مولانا مودودی نے جو تشریح کی ہے وہ اسلامی ادبیات میں بے بہا اضافہ اور اسلام کی عمرانی و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتماعی پہلوؤں کی بے نظیر تفہیم ہے۔ مثال کے طور پر صبر کی تفسیر میں مولانا نے اس کے تمام معنوی پہلوؤں کو جمع کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''صبر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ آدمی جلد باز نہ ہو، اپنی کوششوں کے نتائج فوراً اور جلدی دیکھنے کے لئے بیتاب نہ ہو اور دیر لگتے دیکھ کر ہمت نہ ہار جائے۔ صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی متلون اور ضعف رائے اور قلتِ عزم کی بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ صبر کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آدمی مشکلات و مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور اپنے مقصد کی راہ میں جو تکلیف پیش آ جائے اسے ٹھنڈے دل کے ساتھ برداشت کرے۔ صبر کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی زُود رنج اور مشتعل مزاج نہ ہو، بلکہ متحمل اور بردبار ہو۔ صبر اس چیز کا بھی نام ہے کہ آدمی ہر خوف اور لالچ کے مقابلے میں راہِ راست پر جمار ہے۔ صبر ان تمام معنوں میں کلیدِ کامیابی ہے[۲۳]

اسی طرح حکمت کی تشریح میں مولانا مودودیؒ نے گہری بصیرت و تدبر، دانش مندی و معاملہ فہمی، موقع شناسی و تدبیرِ امور اور دانائی و زیرکی کے تمام مظاہر کو شامل کر لیا ہے:

''یہ حکمت ہے کہ آدمی انسانی نفسیات کی سمجھ رکھتا ہو اور انسانوں سے معاملہ کرنا جانتا ہو۔ یہ بھی حکمت ہے کہ آدمی اپنے تمام کام کو اور اس کے کرنے کے طریقوں کو جانتا ہو اور اس کے راستے میں پیش آنے والی دشواریوں، مخالفتوں اور مزاحمتوں سے نمٹنا بھی اس کو آتا ہو۔ حالات کو سمجھے بغیر اندھا دھند قدم اٹھا دینا، بے موقع کام کرنا اور موقع پر چوک جانا مغفل لوگوں کا کام ہے اور حکمت کے سراسر خلاف ہے''۔[۲۴]

اس مختصر جائزہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے افکار و نظریات اور اصلاحی و تعمیری اسکیم میں یک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسلام کی معاشرتی و عمرانی تشریح کے میدان میں مولانا مودودیؒ نے جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے اس میں وہ بڑی حد تک شاہ ولی اللہؒ سے خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں، البتہ بعض پہلوؤں سے ان کا کارنامہ امتیازی نوعیت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ انہوں نے تصوف کے غیر اسلامی افکار و اعمال کے معاملے میں غیر مصالحانہ رویہ اختیار کیا اور مروّجہ تصوف کو مسلمانوں کے لئے نقصان دہ قرار دے کر قرآنی تزکیہ اور حدیثی احسان کے مضمرات سے آگاہ کیا، جب کہ شاہ صاحب نے شریعت و طریقت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے وحدت الوجود کے نظریہ کو تسلیم بھی کیا اور اس کی نئی تعبیر و تشریح بھی کی اور خود بسا اوقات تصوف کے اعمال و اشغال میں مصروف بھی نظر آئے۔

شاہ صاحب کا زیادہ زور انفرادی سیرت کی تعمیر پر ہے۔ وہ اگرچہ حجۃ اللہ البالغہ اور بعض دوسری کتابوں میں اسلام کے معاشرتی تقاضوں کی تکمیل کو نظر انداز نہیں کرتے، مگر بحیثیت مجموعی انفرادی تزکیہ کے علم بردار ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے قرآن کے تزکیہ کو اس کی عمرانی تعلیمات سے ہم آہنگ بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں اجتماعی و معاشرتی تقاضے 'احسان' و تصوف کے معانی میں شامل ہیں اور غالباً اس میں ان جدید حالات و عوامل اور تحریکی و انقلابی نظریات کا بھی دخل ہے جن کے جلو میں مولانا مودودیؒ نے اسلام کی تعبیر و تشریح کا فریضہ انجام دیا ہے۔

☆☆☆

حواشی و تعلیقات

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، شاہ ولی اللہ اکیڈمی لاہور، ص ۱۵۷

۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، نفس مصدر ص ۲۶

۳۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (تحریک آزادی ہند اور مسلمان، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ لاہور، جلد اوّل ۱۹۸۷ء ص ۳۳۲) نے متحدہ قومیت کے مسئلہ پر مولانا حسین احمد مدنیؒ کے نظریات کا قرآن و سنت اور عقلی دلائل کی روشنی میں محاکمہ کرتے ہوئے اس آیت سے یہ اصول اخذ کیا ہے جو مولانا کی خداداد ذہانت کی دلیل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ چناں چہ پاکستان کے وزیراعظم مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے جب ''اسلامی سوشلزم'' کا نعرہ دیا تو علماء نے اسے بالکلیہ مسترد کر دیا۔ اسی طرح شام میں اخوان المسلمون کے رہنما اور مفکر شیخ مصطفیٰ السباعی کی کتاب 'اشتراکیۃ الاسلام' طبع ہوئی تو عالمِ عرب میں بالعموم اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، حالانکہ ترجمانی بڑی حد تک صحیح تھی، مگر اصطلاح اجنبی تھی، جس سے مرعوبیت جھلکتی تھی۔ یہی حال مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی کی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کا ہے جس میں اشتمالیت سے اسلام کے معاشی نظام کی مشابہت دکھائی گئی ہے۔

۵۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، التفہیمات الالٰھیۃ مجلس علمی ڈابھیل، سورت، ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء، جلد اول ص ۲۱۴-۲۱۵

۶۔ عاصم نعمانی، تصوف اور تعمیر سیرت (مولانا مودودی کی تحریروں کی روشنی میں) مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۷۹ء، ص ۱۰۵-۱۰۶

۷۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، سورہ ۳۱، کتاب الایمان ۳۷

۸۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، جمع و ترتیب عبدالرحمان قاسم العاصمی، مطابع الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۸۱-۱۳۸۲ھ، ج: ۱۱ص: ۶

۹۔ قرآن وسنت کی روشنی میں تصوف کے بےلاگ علمی اور سنجیدہ مطالعہ کے لیے دیکھیے ڈاکٹر غلام قادر لون: مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۴ء

۱۰۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حجۃ البالغۃ ۲/۵۶۰-۵۶۱ (تحقیق و مراجعہ، السید سابق، دارالکتب الحدیثہ بالقاہرۃ)

۱۱۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسالۂ دینیات، دہلی ۱۹۶۷ء، ص ۱۱۸-۱۱۹

۱۲۔ تصوف اور تعمیر سیرت، ص ۶۲

۱۳۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، الطاف القدس فی معارف لطائف النفس، مطبع احمدی، ص ۲۷

۱۴۔ حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۵۶۶-۵۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔ تصوف اور تعمیر سیرت، ص ۴۰

۱۶۔ ابو قاسم عبدالکریم القشیری، الرسائل القشیریہ (متن مع اردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر محمد حسن، المعہد المرکزی للابحاث الاسلامیۃ، کراچی، ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء، ص ۷۳

۱۷۔ حوالہ بالا ص ۶۶، شیخ سری سقطی نے تقریباً یہی بات کہی ہے۔ الطبقات الکبریٰ ۱/۴۷

۱۸۔ سیّد محمد بن مبارک علوی کرمانی (میر خورد) سیر الاولیاء، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور، ۱۳۹۸/۱۹۸۷ء، ص ۵۰

۱۹۔ حوالہ بالا ص ۸۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعۂ تصوف،

۲۰۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۵۶۵-۵۶۶

۲۱۔ تصوف اور تعمیر سیرت، ص ۶۰-۶۱

۲۲۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۸ء جلد ششم ص ۱۲۸

۲۳۔ تصوف اور تعمیر سیرت، ص ۹۴-۹۶

۲۴۔ حوالہ بالا ص ۹۴-۹۶

غیر اسلامی ریاست اور مسلمان

مولانا سید جلال الدین عمری

کسی غیر اسلامی ریاست میں مسلم اقلیت کا کیا موقف ہونا چاہئے اور اسلام نے اس سلسلے میں کیا ہدایات دی ہیں؟ یہ دورِ حاضر کا ایک اہم سوال ہے۔ اس کتاب میں اس کا مدلّل جواب فراہم کیا گیا ہے اور ان اعتراضات کا بھرپور رد کیا گیا ہے جو اس موضوع پر کیے جاتے ہیں۔ دین پر استقامت، عدل کا قیام، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، انسانی حقوق کا احترام، دفاع اور انتقام کا حق اور اس کی معنویت اور مطلوبہ دینی و اخلاقی کردار جیسے عنوانات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اسلام اور مسلمانوں سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کرتی ہے۔ صفحات: ۴۸ قیمت: =/۱۵ روپے

ملنے کے پتے ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

© rasailojaraid.com